SEMESTER 2 MA.URDU

CC-6 URDU NAZM

Presented by. Dr.Shahab Zafar Azmi,Associate Professor

Department of Urdu Patna University.Patna

Mob;8863968168 Email;drshahabzafar.azmi@gmail.com

سبق کے خدو خال

0 مقصد

1 تعارف

2 اردو نظم کا ارتقا

3 نظم معرّیٰ

4 آزاد نظم

5 ن۔م۔راشد کی نظم ''رقص'' کا تجزیہ

6 خلاصہ

7 مشق کے لئے سوالات

8 مزید مطالعہ کے لئے کتابیں

0 مقصد :

لفظ ''نظم'' عموماً نثر کے مقابلے میں استعمال ہوتا آیا ہے جس سے مجموعی طور پر جملہ اصنافِ شعر مراد ہے۔لیکن شاعری کی دیگر اصناف کے مقابلے جب لفظ ''نظم'' کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے ایک خاص صنف مراد لی جاتی ہے۔جدید اردو شاعری میں غزل کے بعد بلکہ غزل کے دوش بدوش چلنے والی کوئی صنف ہو سکتی ہے تو وہ صنف نظم ہی ہے۔غزل اپنی ریزہ خیالی کے سبب اور نظم فکر و خیال کی شیرازہ بندی کے سبب معروف و مقبول صنف سخن کی حیثیت سے مروج ہیں۔اِس اکائی کا مقصد طلبہ کو صنف نظم اور اس کی مختلف قسموں سے تعارف کرانا ہے۔

1 تعارف :

نظم کا نام سنتے ہی شاعری کا خیال آتا ہے۔ بلاغت کی کتابوں میں یہ لفظ انہین معنوں میں مستعمل ہے۔لیکن یہاں نظم سے ہماری مراد وہ مخصوص صنف سخن ہے جسے ہم عام طور پر غزل کے مقابل رکھتے ہیں۔غزل کی ایک مخصوص ہیئت ہے نظم کی نہیں۔

نظم کے لغوی معنی ’موتی پرونے‘ کے ہیں۔یعنی ایک لڑی میں موتیوں کو پرونا۔نظم ہر دور میں مقبول صنف رہی قلی قطب شاہ سے لے کر دور جدید تک ہر دور میں اس کی مثال ملتی ہے۔خیال وفکر کی شیرازہ بندی، تسلسل اور ربط یہی نظم کی خوبی ہے۔

ایک علیحدہ صنف سخن کی حیثیت سے نظم ہمیں سب سے پہلے نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں نظر آتی ہے۔نظیر کی بعض نظمیں اس کی بہترین مثالیں ہیں۔مولانا محمد حسین آزاد اور حالی نے نظم کو پائیدار بنیاد اور استحکام بخشا۔زندگی کا ہر واقعہ، ہر واردات وتجربہ، ہر رنگ اس کا موضوع ہے۔

2 اردو نظم کا ارتقا :

جدید اردو شاعری کا آغاز 1865ء میں لاہور میں انجمن پنجاب کے قیام سے ہوتا ہے اور جدید اردو نظم کا بھی مُشاعروں میں طرحی مصرعوں کی بجائے موضوع اور مختلف موضوعات پر نظمیں تخلیق کرنے کا امتیاز بھی اسی انجمن کو ہے۔اردو شاعری کی بعض بہترین نظمیں انھیں مشاعروں کی دین ہیں۔

قدیم اردو نظم کی چند مثالیں پیش ہیں:

روٹیاں

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں
پھولی نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں
سینے اپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

(نظیر اکبر آبادی)

مفلسی

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی
کس کس طرح سے اس کو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی

بھوکا تمام رات سلاتی ہے مفلس
یہ دکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

(نظیر اکبرآبادی)

برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
اک شور ہے آسماں پہ برپا
ہے ابر کی فوج آگے آگے
اور پیچھے ہیں دل کے دل ہوا کے
ہیں رنگ برنگ کے رسالے
گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے
بارش ہوئی تو عالم کا رنگ ہی بدل گیا
پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل
ہے گونج رہا تمام جنگل
کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو
اور مور چنگھاڑتے ہیں ہر سو
کوئل کی ہے کوک جی لبھاتی
گویا کہ ہے دل میں بیٹھ جاتی
مینڈک جو ہیں بولنے پہ آتے
سنسار کو سر پہ ہیں اٹھاتے

(حالؔی)

مولانا محمد حسین آزاد : آزادؔ کی نظم 'صبح امید' سے اقتباس پیش ہے۔

بوندوں میں جھومتی وہ درختوں کی ڈالیاں
اور سبز کیاریوں میں وہ پھولوں کی لالیاں
وہ ٹہنیوں میں پانی کے قطرے ڈھلک رہے
وہ کیاریاں بھری ہوئی تھالے چھلک رہے

آب رواں کا نالیوں میں لہر مارنا
اور روئے سبزہ زار کا دھوکر سنوارنا
گرنا وہ آبشار کی چادر کا زور سے
اور گونجنا وہ باغ کا پانی کے شور سے
جل تھل ہیں کوہ ودشت میں تالاب آب کے
گویا چھلک رہے ہیں کٹورے گلاب کے

آزاؔد کی مندرجہ بالا نظم لفظاً اور معناً نیچرل ہے۔

مولانا حاؔلی، آزاؔد، چکبستؔ، اقباؔل اور ظفؔر علی خاں نے (یہ صرف چند نام ہیں ورنہ فہرست کافی طویل ہے) اپنی نظموں میں زندگی کے تقریباً ہر پہلو کو اپنایا۔ ان شعرا نے نظم سے بہت سے کام لیے۔ بقول پروفیسر احتشام حسین:

''بہت سے سوئے ہوئے احساس جاگے، دبے ہوئے جذبے ابھرے۔ دھندلے خیالات روشن ہوئے۔ محدود خیالات کی حدیں وسیع ہوئیں۔ موضوعات کے انتخاب کا نظریہ بدلا۔ اور قدیم اور جدید کی آمیزش سے تنوع پیدا ہوا۔''

اس دور کی نظموں میں علامہ اقبال کی نظمیں اس لحاظ سے بھی اہمیت کی حامل ہیں کہ اقباؔل نے صحیح معنوں میں اردو نظم کو ایک بالکل ہی نئے انقلاب سے روشناس کیا۔ انہوں نے اپنی نظموں میں ان دشوار سوالات کو حل کرنے کی کوشش کی ہے جن کا تعلق تاریخ، عمرانیات، سیاسیات اور روحانیت وغیرہ سے ہے۔ اقبال کی نظم ''خضر راہ'' اردو کی بہترین نظموں میں سے ایک ہے۔ فکری لحاظ سے بھی اور فنی لحاظ سے بھی۔

زندگی کا راز کیا ہے؟ سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ ومحنت میں ہے کیسا خروش
بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفٰی
خاک وخوں میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش
آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

علاّمہ اقباؔل کے بعد جوشؔ کا نام بھی بہت اہم ہے۔ جوشؔ کی نظم نگاری میں اگرچہ فکر وفلسفے کا پہلو کمزور ہے لیکن رعنائی خیال اور شدت جذبات میں ان کا کوئی حریف نہیں۔

کیا ہند کا زنداں کانپ رہا ہے اور گونج رہی ہیں تکبیریں

اکتائے ہیں شاید کچھ قیدی اور توڑ رہے ہیں زنجیریں
دیواروں کے نیچے آ آ کر یوں جمع ہوئے ہیں زندانی
سینوں میں تلاطم بجلی کا آنکھوں میں جھلکتی شمشیریں
بھوکوں کی نظر میں بجلی ہے توپوں کے دہانے ٹھنڈے ہیں
تقدیر کے لب کو جنبش ہے دم توڑ رہی ہیں تدبیریں
کیا ان کو خبر تھی ہونٹوں پر جو قفل لگایا کرتے تھے
اک روز اسی خاموشی سے ٹپکیں گی دہکتی تقریریں

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں قومی ذہن، کرب، اضطراب اور امید کی نئی فضاؤں سے آشنا ہوا۔ زندگی کے ہر شعبہ میں تبدیلی آئی۔ اقتصادی بدحالی، سیاسی انقلاب پسندی اور فکری انتشار کے بطن سے ترقی پسند تحریک پیدا ہوئی۔ اس طرح نظم نگار کو نیا لب ولہجہ ملا۔ بیرونی اثرات جن کو سماجی انتشار میں جڑ پکڑنے کا موقع ملا ان میں مارکس اور فرائڈ کے نظریات کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ ترقی پسند تحریک پر ان نظریات کی گہری چھاپ ملتی ہے۔

3 نظم معرّیٰ :

بیسویں صدی میں انگریزی شعر و ادب کے اثر سے ہماری شاعری متاثر ہوئی۔ اردو میں نظم معرّیٰ بھی انگریزی ہی کی دین ہے۔ انگریزی میں اس ہیئت کا نام 'بلینک ورس' ہے اردو میں اسے نظم مقفّیٰ کہا گیا۔ لیکن بعد میں نظم معرّیٰ کے نام سے پکارا گیا۔

انگریزی بلینک ورس کی ہیئت کے لئے بے قافیہ آئمبک پینٹا میٹر (IAMBIC PENTA METRE) بحر مخصوص ہے۔ مگر اردو میں اس کے لئے کوئی مخصوص بحر نہیں۔ لہذا اس میں جو مخصوص عروضی آزادی ملی اس سے فائدہ اٹھا کر اردو والوں نے اس کو اپنا لیا۔

انگریزی ادب میں بلینک ورس (Blank Verse) کا سہرا ہاورڈ، ارل آف سرے کے سر جاتا ہے۔ اسی نے انگریزی میں شاعری کو بلینک ورس سے روشناس کرایا۔ اطالوی شعرا کے بلینک ورس کے تجربوں سے متاثر ہو کر سرّے نے ورجل کی اینڈ (AENIED) کی دوسری اور چوتھی جلد کا ترجمہ دس فری آئمبک غیر مقفّیٰ مصرعوں کی شکل میں کیا جو 1557ء میں شائع ہوا۔ اسی سال سرّے کے سانٹ TOTTELS MISCELLANY میں شائع ہوئے۔ سرے کی بلینک ورس ٹوٹل ہی نے Miscellany سے الگ شائع کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سرّے نے انگریزی شاعری میں بلینک ورس کو استحکام بخشا۔ سرّے کے تجربے کے وسیع اور دوررس اثرات کے تحت انگریزی بلینک ورس کی ایک عظیم اور مستحکم روایت قائم ہوگئی۔ انگریزی سے یہ صنف اردو میں آئی۔ بقول ڈاکٹر حنیف کیفی نظم معرّیٰ کو ایک روایت کا درجہ دینے کی کوشش عبدالحلیم شرؔر نے شروع کی۔ نظم معرّیٰ کا سنگ بنیاد آزاد نے رکھا مگر اس کے ترویج اور اشاعت کے لیے سنگ میل شرؔر نے نصب کیا اور اس کے ذریعے اردو شاعری کو ایک ایسا موڑ دیا جس سے آگے چل کر نئی راہیں نکلتی

چلی گئیں۔

ہمارے یہاں یعنی انگریزی سے واقف شعرانے کئی مرتبہ اردو میں نظم معرّیٰ کہنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہوئی کہ سوائے قافیے کی پابندی کے انہوں نے اس صنف کی دوسری خوبیاں دکھانے کی کوشش نہیں کی۔ شؔرر نے نظم معریٰ کو ڈرامے کے لیے استعمال کرنے کا تجربہ کیا۔ ابتدائی پچیس تیس سال کی مدت میں کہی جانے والی معرّیٰ نظموں پر ایک نظر ڈالنے کے بعد یہ بات آسانی سے کہی جا سکتی ہے کہ مجموعی طور پر اس دور کی معرّیٰ نظموں کی اہمیت تاریخی ہے ادبی نہیں۔ ان نظموں میں نہ تو کوئی فنّی رچاؤ نظر آتا ہے نہ شاعرانہ خوبی۔

قدیم اور جدید نظم معرّیٰ کے چند نمونے پیش ہیں۔

ہنگامۂ ہستی کو
گر غور سے دیکھو تم
صنعت کے تلاطم میں
جو خاک کا ذرّہ ہے
یا پانی کا قطرہ ہے
حکمت کا مرقع ہے
جس پر قلم قدرت
انداز سے جاری ہے
اور کرتا ہے گلکاری۔ (مولوی محمد حسین آزؔاد)

تاروں بھری رات : (ایک بند)

ارے چھوٹے چھوٹے تارو — کہ چمک دمک رہے ہو
تمہیں دیکھ کر نہ ہووے — مجھے کس طرح تحیّر
کہ تم اونچے آسماں پر — جو ہے کل جہاں سے اعلیٰ
ہوئے روشن اس روش سے — کہ کسی نے جڑ دیے ہیں
گہر اور لعل گویا

(مولوی اسمٰعیل میرٹھی)

ابتدا میں جو معرّیٰ نظمیں تخلیق ہوئیں بہت قلیل تھیں لیکن ان میں بھی وہ تخلیقی توانائی اور فن کی تابناکی کہیں نظر نہیں آتی جو ایک فن

پارے کو مقام بخشنے کے لیے لازمی ہیں۔

بیسویں صدی میں غالباً ہر بڑے شاعر نے نظم معرّیٰ میں شاعری کی ہے۔ ترقی پسند تحریک سے بھی اسے بڑھاوا ملا۔ اربابِ اہلِ ذوق کے شعرا نے نظم معرّیٰ کو استحکام بخشا۔ ان میں قابل ذکر نام ہیں ن م راشدؔ، میرا جیؔ، فیض احمد فیضؔ، اختر الایمان، محمود جالندھری، یوسف ظفرؔ وغیرہ۔

پھر کوئی آیا دل زار نہیں کوئی نہیں
راہرو ہوگا، کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات بکھرنے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
سوگئی راستہ تک تک کے ہر اک راہگزر

. . . .

اب یہاں کوئی نہیں کوئی نہیں آئے گا

(فیض احمد فیضؔ)

مرے دل کی باتیں
جو ہو جائیں افشا
تو ہو جاؤں رسوا
میں کیا سوچتا ہوں
اگر جان لو تم
ابھی منہ چھپا لو
نگاہیں جھکا لو
میں کیا چاہتا ہوں
تمہیں جو بتا دوں
ابھی کسمساؤ
یہ کرسی سے اٹھ کر
ابھی بھاگ جاؤ

(دل کی باتیں۔مخمور جالندھری)

ان مثالوں سے جن خیالات ومحسوسات کی ترجمانی ہوتی ہے وہ اِس زمانے کی شاعری کے عام رنگ کی عکاسی کرتے ہیں۔نظم معرّیٰ کو سمت ورفتار اور رنگ وآہنگ دینے میں ارباب اہلِ ذوق کا بڑا ہاتھ ہے۔اسی کے زیر سایہ پروان چڑھ کر اس نے اپنے لئے مقام واستحکام پیدا کیا۔

تدریس : قدیم اردو نظم کا اپنا الگ رنگ ہے۔حاؔلی اور آزاؔد سے لے کر اقباؔل تک اور اقباؔل سے جوؔش حفیؔظ اور اختر شیرانی تک اردو نظم آہستہ آہستہ بدلتی رہی۔ یہ تبدیلی بہت خاموش اور غیر محسوس تھی اور ان تبدیلیوں کی نمود ہماری دیرینہ روایات کے دائرے میں رہ کر ہوئی۔ اردو نظم نگاری کے جو سانچے اس وقت رائج تھے ان میں ایک اکہرا پن موجود ہے۔نظم کے عنوان سے ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس کا موضوع کیا ہے۔پوری نظم ایک سیدھی سادی منطق کے سہارے آگے بڑھتی ہے۔جس کا آغاز اور انجام دونوں پڑھنے والوں پر آئینہ کی طرح روشن ہوتے ہیں۔غزل کا ہر شعر اپنی جگہ مکمل ہوتا ہے اس کے برعکس نظم میں تسلسل ہوتا ہے۔ایک شعر دوسرے شعر سے معنوی لحاظ سے مربوط ہوتا ہے۔نظم میں بحر کی پابندی لازمی ہے نظم کے موضوعات متعین نہیں۔اس کا کوئی بھی موضوع ہوسکتا ہے۔اس میں ہر طرح کے جذبات، احساسات، کیفیات اور تجربات ومشاہدات کو پیش کیا جاسکتا ہے۔شاعر اپنے اظہار میں شدت پیدا کرنے اور بات کو پراثر بنانے کے لئے تشبیہ اور استعارے کا سہارا لیتا ہے۔

4 آزاد نظم :

فرانس کے جدت پسند شعرا نے نثر و نظم کے باہمی امتیازات کو رد کر کے دونوں کے امتزاج سے ایک نئی ہیئت کی تشکیل کی جس کی بنیاد عروض اور ان کی پابندی یا صوتی اجزا کے شمار کے بجائے آہنگ وایقاع کے اصول پر تھی۔اس اصول کے تحت جذبات کے اتار چڑھاؤ اور الفاظ کے بہاؤ کے ساتھ کلام میں خود بخود روانی اور زیر وبم کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ نیا پیرایہ اظہار کسی بھی مطلق قسم کے اصول کا پابند نہیں تھا۔ان نظریات وخیالات میں نئے شعرا کے لئے کشش کا خاصا سامان تھا۔قدیم اصولوں سے بے زاری اور نئے زمانے کی تیز رفتاری کا ساتھ دینے کے لئے بے روک اظہار خیال کے وسیلوں کی ضرورت کے احساس نے شعرا کو آزاد نظم اپنانے اور رائج کرنے پر آمادہ کیا۔انیسویں صدی کے اختتام سے پہلے ہی فرانس میں اس کا رواج خاصا زور پکڑ چکا تھا۔

انگریزی شاعری میں آزد نظم کا دور فرانس کی اسی آزاد شاعری کے زیر اثر ہوا۔ جو انیسویں صدی کے اواخر میں فروغ پا رہی تھی۔ تمام ناقدین اسی امر پر متفق ہیں کہ فری ورس کی ترویج کے دو بنیادی محرکات تھے۔قدیم اصناف واسالیب نظم سے بغاوت اور ایسے نئے وسائل اظہار کی جستجو جو بدلتے ہوئے تیز رفتار زمانے کا ساتھ دے۔ اسی لئے فری ورس کی تحریک کو روایت مخالف تحریک (Anti Traditional Movement) تصور کیا جاتا تھا۔مخالفتوں کے باوجود بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے ابتدائی چند برسوں ہی میں انگریزی شاعری میں فری ورس کے قدم جم چکے تھے اور ادبی فضا اس کی آوازوں سے گونجنے لگی تھی۔

یہ آوازیں سمندر پار کر کے ہندوستان بھی پہنچیں۔ اردو کے وہ نوجوان شعرا جو اپنے یہاں کی شعری روایات سے غیر مطمئن تھے۔ اسی نئی آواز کو اپنایا اور بہت ہی تھوڑے عرصے کے بعد اردو دنیا آزاد نظم کے انقلابی تجربے سے آشنا ہوگئی۔ یہ تجربہ اپنی انقلابیت اور ہنگامہ خیزی کی وجہ سے تو اہم تھا ہی یہ پہلا تجربہ بھی تھا جو ہم عصر مغربی ادب کے کسی تجربے کے زیر اثر وجود میں آیا تھا اور مستقبل میں اس قسم کے نئے تجربوں کے لئے راہیں کھول دیں۔

اردو میں آزاد نظم کی ابتدا تصدق حسین خالدؔ کی نظموں سے ہوتی ہے۔ خالدؔ نے انگریزی اور فرانسیسی آزاد شعرا کے مطالعے سے اردو میں اس روایت کی داغ بیل ڈالی۔ خالدؔ کی آزاد نظم پر انگریزی آزاد نظم کی تکنیک کا اثر واضح نظر آتا ہے ان کی نظموں کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ مصرعے ایک دوسرے میں پیوست ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس طرح مصرعے کے الفاظ اور معانی دونوں کا بہاؤ اکثر کئی کئی مصرعوں کے بعد تکمیل معانی کو پہنچتا ہے۔ مصرعوں کے اس تسلسل کی بدولت ان کی نظموں میں عموماً مصرع یا رکن کی بجائے پورا ایک بند ایک اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی ایک نظم کا اقتباس پیش ہے۔

کاش سورج ڈوب جائے

اس چمکتی دھوپ

اِن گاتے ہوئے چشموں

مُصفا وادیوں

نیلے پہاڑوں

زرفشاں، ہنستی ہوئی آزاد لہروں

خوش ادا پھولوں کو

تاریکی کا دیو ہولناک

پیس ڈالے!

ظلمتیں اٹھیں، گریں، پھیلیں، بڑھیں

کاش یہ کرنیں کہ جن کی تابشوں سے

زندگی پھوٹتی ہے،

ایک گہرے غار کی

قید میں گم ہوجائیں

تاریکی کے بادل [illegible] لڑھکتے لڑکھڑاتے گرتے پڑتے (کاش)

ارباب اہل ذوق نے آزاد نظم اور نظم معرّیٰ دونوں کو نہ صرف استحکام بخشا بلکہ معتبر بھی بنایا۔ ارباب اہل ذوق کے شعراء میں ن م راشدؔ اور میرا جیؔ بہت اہم ہیں۔ ن م راشدؔ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے آزاد نظم کو اردو میں مقبول عام بنایا۔ آزاد نظم کے لئے راشدؔ کی سب سے بڑی خدمت اور اہم دین یہ ہے کہ چند ہی برسوں کی قلیل مدت میں انھوں نے اردو آزاد نظم کو وہ استحکام بخشا جس کی بدولت اس کی بنیادیں ہمیشہ کے لیے مضبوط ہوگئیں اور انہیں مضبوط بنیادوں پر راشدؔ کے ہم عصر اور مابعد شعراء نے آزاد نظم کی عمارت میں مزید توسیع و تعمیر کا کام انجام دیا۔ ذیل میں ن م راشدؔ کی ''نظم رقص'' ملاحظہ ہو۔

اے مری ہم رقص مجھ کو تھام لے
زندگی سے بھاگ کر آیا ہوں میں
ڈر سے لرزاں ہوں کہیں ایسا نہ ہو
رقص گاہ کے چور دروازے سے آکر زندگی
ڈھونڈے مجھ کو نشاں پالے مرا
اور جرم عیش کرتے دیکھ لے

. . . .

اے حسین واجنبی عورت مجھے اب تھام لے

(رقص)

دم بدم بڑھتے چلے جاتے ہیں
سرمیدان رفیق
تو مرے ساتھ مری جان کہاں جائے گی
دیکھ خونخوار درندوں کے وہ غول
مرے محبوب وطن کو یہ نگل جائیں گے
ان سے ٹکرانے بھی دے
جنگ آزادی میں کام آنے بھی دے
تو مرے ساتھ مری جان کہاں جائے گی (سپاہی)

جاگ اے شمع شبستان وصال
مخملیں خواب کے اس فرش طربناک سے جاگ

لذت شب سے ترا جسم ابھی چور سہی

آمری جان میرے پاس دریچے کے قریب

(دریچے کے قریب)

5 راشد کی نظم ''رقص'' کا تجزیہ :

راشد کی نظم ''رقص''، رمزیت اور ایمائیت کی بہترین مثال ہے۔ راشد کے سوچنے کا انداز خالص مغربی ہے۔ اس نظم میں رقص گھر خالص مغرب کی چیز ہے۔ ہندوستان میں اب بڑے شہروں میں کلب اور رقص گھر عام ہیں۔ یہ نظم آج کے ماحول میں پہلے کے مقابلے میں سمجھنا نسبتاً آسان ہے۔ راشد کے یہاں ایک ایسے انسان کا تصور ہے جو تہذیب وتمدن کی الجھنوں کے زیر اثر کسی بات سے بھی جی بھر کر لطف اندوز ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ایک نقطے سے ہٹ کر دوسرے نقطے تک جاتا ہو اور پھر دوسرے سے تیسرے تک زندگی کی وسعت اور ہماہمی سے تنگ آکر وہ رقص گاہ میں پناہ لینے آیا ہے لیکن یہاں بھی رقص کی گردشیں اسے پیس پیس رہی ہیں۔ رقص کی گردشون میں اس کے پاؤں غموں کو روندر ہے ہیں لیکن پھر بھی اسے ڈر ہے کہ زندگی کی تلخ حقیقتیں کہیں اسکا سراغ نہ لگالیں اور آکر اسے رقص گاہ سے واپس کارزارحیات میں لے جائیں۔ ''اے مری ہم رقص! مجھ کو تھام لے''۔ اس مصرعے کی تکرار اس بات کی غماز ہے کہ اسے زندگی کے قریب جاتے ہوئے ڈر محسوس ہورہا ہے۔ اس لئے اپنے آپ کو رقص میں کھودینا چاہتا ہے۔ اس کے لئے اتنی پناہ کافی نہیں۔ اس کی ہم رقص اجنبی ہے اس کے بعد اس سے دوبارہ ملنے کی کوئی صورت بھی نہیں۔ اس کی یہ دلبستگی ہنگامی ہے اور ایک علاج کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کو یہ ڈر بھی ہے کہ کہیں وہ حسین اور اجنبی عورت اس کے غیر معمولی جوش کو غلط نہ سمجھ بیٹھے اس لئے وہ اس سے صاف طور پر کہہ رہا ہے کہ اس میں اسے صرف ایک مماثلت نظر آتی ہے۔ اس کی خواہشیں تو تہذیب کی چاردیواری کے آگے متواتر سر جھکائے رہنے سے اپنی قدیم شدت کھوچکی ہیں۔ اس لئے وہ کوئی غلط خیال اس کے بارے میں نہ لائے وہ تو رقص میں اس کے جسم سے لپٹ سکتا ہے اور بس۔ زندگی پر اس کا کوئی بس نہیں۔ یہاں زندگی کے دو مفہوم ہوسکتے ہیں۔ ایک تو رقص گاہ کے باہر کی زندگی جسے چھوڑ کر وہ رقص گاہ کی پناہ میں آیا ہے اور دوسری وہ جو اسے اپنے آس پاس اور پہلو میں دکھائی دے رہی ہے۔ ''راشد کے اس ٹکڑے سے آزاد نظم کے فنی فوائد کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ اس کی بحر سے رقص کا بہاؤ ظاہر ہے۔ بنیادی رکن فاعلاتن ہے۔ جھٹکے دیتا ہوا اور ہر گردش کو پورا کرتا ہوا، رکن فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلا، میں بہاؤ ہے اور ''تن'' کا ٹکڑا اس بہاؤ دو یا تین یا چار بار چلتا ہے تو اس کے بہاؤ کا زور بڑھ جاتا ہے اور آخر میں فاعلن یا فاعلات کا چھوٹا رکن روک کا کام دیتا ہے۔'' (میراجی)

نظم میں ایک جگہ شاعر اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ اس رقص سے وہ یوں محسوس کررہا ہے گویا ایک مبہم سی چکی چل رہی ے اور وہ اپنے غموں کو پاؤں تلے روندتا چلا جارہا ہے۔ اس بنیادی رکن کی گردش اور جھٹکوں میں کسی چکی کی گولائی ایسی کیفیت بھی موجود ہے۔

راشد اور میراجی نے مغربی ... کے جدید شعراء سے متاثر ہو کر نظم نگاری کے فن کو نئے طریقوں سے ... کی کوشش کی۔ اردو شاعری

میں یہ بالکل نیا تجربہ تھا۔

پابند نظم کی بجائے ایسی آزاد نظم جس میں مصرعے چھوٹے بڑے ہوں اور ارکان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہے، یقیناً نئی چیز تھی پوری نظم ایک ہی بحر اور اس کے ارکان کے دائرے میں رہ کر چھوٹے بڑے مصرعے لکھنا اردو میں نئی بات نہیں ہمارے یہاں مستزاد پہلے سے موجود ہے۔ جو چیز آزاد نظم کو ممتاز کرتی ہے وہ ہے نظم کی تعمیر کا ایک نیا طرز اور ارتقا کے خیال کی ایک نئی منطق جو سادہ اور بیانیہ نظم سے مختلف ہے۔ اس میں افسانوی اور ڈرامائی رنگ بھی جھلکتا ہے جہاں بات کہیں درمیان سے شروع ہوتی ہے نظم میں واحد متکلم اب شاعر نہیں بلکہ ایک کردار اور بعض اوقات کئی کردار ہوتے ہیں۔ کہیں خود کلامی کا انداز ہے تو کہیں مکالمہ جس میں مخاطب نظر نہیں آتا۔ ہماری پرانی نظم کی مثال ایک حکایت کی سی ہے جس میں ہر واقعہ ابتدا سے لے کر انتہا تک خطِ مستقیم کی شکل میں ہوتا ہے۔ پڑھنے والا آسانی سے انجام تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کے برعکس جدید نظم کی مثال جدید ناول یا افسانہ کی سی ہے۔ اس میں ایک پیچ در پیچ سلسلہ ہوتا ہے کردار کا ذہنی عمل زماں و مکاں کے منطقی تسلسل کو توڑتا ہوا برابر آگے پیچھے ہوتا رہتا ہے۔ ان نئی نظموں میں علامت نگاری کا انداز بھی مختلف ہے۔ یہاں ہماری پرانی نظم کے سیدھے سادے علامتی انداز کو دخل نہیں۔

6 خلاصہ :

مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نظم، نظم معرّیٰ اور نظم آزاد کی تفہیم میں کن باتوں سے آگہی ضروری ہے۔ جدید نظم کو تہذیب، معاشرت اور سیاسی اور سماجی مسائل کا شعور حاصل کیے بغیر سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن اس سے پہلے علم بیان، علم عروض اور علم بلاغت پر بھی عبور ضروری ہے اس کے بغیر کسی بھی جدید نظم کی لفظی اور معنوی خوبیوں کا ادراک آسان نہیں قدیم اور جدید شاعری کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ نظم کی یہ سبھی قسمیں اردو شاعری کی تاریخ میں بے حد اہم ہیں۔

7 مشق کے سوالات :

(۱) "نظم" کسے کہتے ہیں؟ اردو نظم کے ارتقا پر روشنی ڈالیے۔

(۲) نظم معرّیٰ اور آزاد میں کیا فرق ہے؟ مع مثال لکھیے۔

(۳) قدیم اردو نظم کی خوبیاں بیان کیجئے۔

(۴) اردو کی کسی ایک "نظم" کا تجزیہ کیجئے۔

8 مزید مطالعہ کے لئے کتابیں :

(۱) نظم معرّیٰ اور نظم آزاد ـ حنیف کیفی

(۲) آج کا اردو ادب ـ ابواللیث صدیقی

(۳) درس بلاغت ـ شمس الرحمان فاروقی

(۴) جدید اردو شاعری - عبدالقادر

(۵) اردو کی شعری اصناف - خواجہ اکرام